# درختِ طوبیٰ

یکے از تصنیفات

علاّمہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

خانۂ حکمت ۔ ادارۂ عارف

خداوندِ علیم و حکیم اپنی کتابِ عزیز میں یوں فرماتا ہے کہ :-

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا
کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ
اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی
السَّمَآءِ ○ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ
حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّھَا ؕ وَیَضْرِبُ
اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ
یَتَذَکَّرُوْنَ ○

(۱۴ : ۲۴ - ۲۵) ۔

یعنی " (اے محمدؐ!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پاک کلمے کی مثال کس طرح ایک پاک درخت سے دی ہے ۔ جسکی جڑ زمین میں مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں ۔ وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت میوہ دیتا رہتا ہے ۔ اور

اللہ لوگوں کے لیۓ مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ غور کریں۔

درختِ طوبیٰ کی حقیقت سمجھنے کے لیۓ ہمیں اس آیت پر غور کرنا چاہیۓ اور جاننا چاہیۓ کہ خدائے برتر نے اس آیت میں تین(۳) متبرک چیزوں کا ذکر کیا ہے اور ان میں سب سے پہلے جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ "مثل الاعلیٰ" ہے، جس کا ثبوت اس آیت سے ظاہر ہے کہ۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً کَلِمَۃً طَیِّبَۃً
کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔

جس میں کلمۂ طیّبہ کو درختِ طیّبہ سے مثال دیا گیا ہے۔ یہ مثال "مثل الاعلیٰ" کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اب جاننا چاہیۓ کہ "مثل الاعلیٰ" وہ چیز ہے جس میں حقیقت کی ساری مثالیں موجود ہیں اور اس کے دائرہ سے باہر اور بالاتر کسی مثال کا ہونا ممکن نہیں۔

اس کے بعد جس متبرک شے کا ذکر فرمایا ہے وہ "کلمۂ طیبہ" ہے جسے "کلمۂ کُن" بھی کہا جاتا ہے ۔ یہ وہ کلمہ ہے جس میں سارے دینی اور دنیاوی امور جمع ہیں اور کوئی امر اس کے دائرے سے باہر وجود نہیں رکھتا ۔ یہ ایک ایسا کلمۂ تامّہ ہے جس پر زبان کی بنیاد رکھی ہوئی ہے اور یہ (کلمۂ کن) ہر ایک زبان میں موجود ہے اگرچہ اس کے حصول کا شرف صرف عارفانِ حق ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

۲۴ ۲۵ ۞ اس کے بعد تیسری متبرک شے ۞ "شجرۂ طیّبہ" ہے جسے درختِ طوبیٰ بھی کہا جاتا ہے ۔ اس کے میوے کی کیفیت یہ ہے کہ کوئی بھی پھل حلاوت و لذت میں اس کی برابری نہیں کرسکتا اور اس کا پھل نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے اور اس کی شاخوں میں سے ہر شاخ اہلِ جنت کے محلوں میں سے ہر محل میں آویزاں ہے اور اس سے اہلِ جنت جس وقت جیسا میوہ چاہیں ، انھیں اسی وقت میسّر ہوتا ہے ۔

ISWLG Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for united humanity

## درخت طوبیٰ کا ممثول

اب ہمیں ان متبرکاتِ ثلاثہ یعنی تین متبرک چیزوں میں سے سب سے پہلے شجرۂ طیبہ کی تشریح کرنا چاہیئے اس لیئے کہ اگرچہ حسب مراتب یہ سب سے اخیر میں ہے تاہم قربت و اتصال کے لحاظ سے یہ ہمارے لیئے زیادہ نزدیک ہے اور ہمیں اس کے ذریعے ترقی کرنی ہے اور یہ روحانی ارتقاء کا پہلا پایہ ہے۔

اب ہم درخت طوبیٰ کی تشریح کی طرف آتے ہیں۔ مومن کو سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ مذہبی اور روحانی اسرار کا تعلق ایمان و اعتقاد پر ہے۔ اس لیئے جو کچھ اس کے بارے میں بیان کیا جائے، مومن کا فرض ہے کہ خلوصِ دل سے اس پر اعتقاد رکھے اور پھر نورِ یقین کے ساتھ چشمِ بصیرت سے دیکھے اور سمجھے کہ جو کچھ "مثل الاعلیٰ" کے تحت ہے وہ مثال و ممثول پر مشتمل ہے۔

مثال اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی طرف دلالت کرے اور ممثول اُس شئے کو جس کی طرف مثال دلالت کرے۔ چونکہ مثال میں اپنے ممثول کی صفات کی کچھ مشابہت پائی جاتی ہے اس لیئے مثال ممثول کی حقیقت تک رسائی کا وسیلہ ہے۔ پس اسی طرح درختِ طوبیٰ جو بطورِ تمثیل بیان کیا گیا ہے، اس کا ممثول امام زمان ہے۔ درختِ طوبیٰ کو امامِ زمان سے مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح درختِ طوبیٰ کی جڑ زمین میں محکم اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں اسی طرح امامِ زمان رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل اور ان کے وصی حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی نسل سے ہے جس کی ذریت دنیا میں ہمیشہ دائم و قائم ہے اور کبھی منقطع ہونے والی نہیں۔ اس لیئے کہ ظاہری جسمانیت کے لحاظ سے امام زمان کا اگرچہ ایک ہی جگہ پر قیام ہوتا ہے لیکن باطنی نورانیت کے لحاظ سے زمین و آسمان کی کوئی شے اُس کے نور سے خالی نہیں بلکہ ہر چیز میں اس کا نور

جاری و ساری ہے۔ نیز یہ کہ جس طرح درختِ طوبیٰ
ایک جگہ پر مضبوطی کے ساتھ برپا ہونے کے باوجود
اُس کی ہمیشہ پھل دینے والی شاخیں زمین سے لے کر
آسمان تک ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں اور اپنے پروردگار
کے حکم سے حسبِ طلب اہلِ بہشت کو میوہ بہم
پہنچاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح امامِ زمان دنیا میں
مجرّد اور مجسّم نور ہے۔ جسمانی طور پر ایک
مخصوص جگہ پر ہونے کے باوجود وہ اپنے پروردگار
کے امر سے اپنے علم و حکمت کا میوہ ظاہری اور
باطنی طور پر اہلِ زمین و آسمان کو ہر وقت بخشتا
رہتا ہے اور ہر گروہ اپنی مذہبی اور روحانی
استعداد و استحقاق کے مطابق اس سے
مستفید ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اہلِ وحدت،
اہلِ ترتیب اور اہلِ تضاد حسبِ مراتب امام سے
دینی اور روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔ ایک قابلِ ذکر
نکتہ یہ ہے کہ جس طرح اہلِ بہشت مختلف
مراتب پر فائض ہوتے ہیں اسی طرح امامِ زمان کی
طاعت و معرفت کے حصول کے اعتبار سے بھی

اہلِ دنیا تین(۳) مختلف مدارج یعنی وحدت، ترتب اور تضاد پر منقسم ہیں جو اپنی اہلیت و قابلیت اور سستی و کسالت کے مطابق بدلہ پاتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ ایک درخت جس کا پھل ہمیشہ خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتا ہے لیکن اس کی لذت گیری اور استفادے کا انحصار لوگوں کی تندرستی و بیماری اور سعی و سستی پر ہے۔ کہنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ امام زمان جو شجرۂ طیبہ کا ممثول اور اُس کے حقیقی معنی ہے دنیا میں ہمیشہ دائم و قائم ہے۔ اس کی ہدایت و دعوت کا بابِ رحمت سب کے لئے کشادہ ہے لیکن دعوت و ہدایت کی قبولیت کا انحصار ہر کسی کی ذاتی اہلیت و قابلیت پر مبنی ہے۔

اس مثال سے یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ درختِ طوبیٰ سے مراد امامِ زمان ہے جس کا باطنی نور بصورتِ "کلمۃ الاسرار" مومنوں کے دل میں مخفی ہے۔ اس نور کے بہت سے نام ہیں اور

اس کے متعلق بہت سی مثالیں دی گئی ہیں۔ جن
میں سے صرف چند ایک کو یہاں پر درج کیا جاتا
ہے مثلاً درختِ طوبیٰ ، سخنِ پُر حکمت ،
نور ، کتابِ گوینده ، فرمان ، قرآن ، ام الکتاب ،
درختِ علم ، بہشت ، ذکر ، میزان ،
مجمع البحرین ، وزیرِ سلیمان ، مقامِ قابِ قوسین ، سخنِ زنده ،
نفی و اثبات ، کلمۂ نور ، میزانِ ممکنات وغیرہ ۔

## ظہورات و تجلیاتِ امامِ زمان :-

مومنِ مخلص
کو جاننا چاہیئے کہ ان اسماء کا مسمّیٰ اور ان مثالوں
کا ممثول ایک ہی ہے اور وہ امامِ حق و حاضر کا نور ہے ۔
جس طرح امامِ زمان کے نورِ واحد کے بہت سے نام اور
مثالیں ہیں جو خدائے یکتا کا نور ہے اسی طرح سلسلۂ
اجسام ، اسماءِ حسنیٰ ، امثلۂ علیا اور کلماتِ تامہ
میں اس کے بہت سے ظہورات و تجلیات ہیں ۔ نیز
امام کے ظاہری جسم کے علاوہ ایک نورانی لطیف
جسم بھی ہے جیسے جسمِ فلکی ( Atomic Body )

بھی کہا جا سکتا ہے ۔ اس میں بھی امام کا ایک گونہ ظہور ہوتا ہے ۔ یہ خاص نورانی جسم ہمہ رس ہے اور اس کے ذریعے امام جہاں چاہے ظہور کرتا ہے اور جو چاہے وہ کر سکتا ہے ۔

مومنِ موحّد کو یقین سے جاننا چاہیئے کہ اس کا ایک ظہور روحانی خوشبو میں بھی موجود ہے ۔ جسے رسول مصطفیٰ نے "بوی رحمان" کے نام سے یاد فرمایا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری طور پر بھی خوشبو پسند فرماتے تھے ۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ نے بھی اس خوشبو کو "پیراہنِ یوسف" کے نام سے یاد فرمایا ۔ اور یہ پیراہن اصل میں کپڑے کی نہ تھی بلکہ یہ نورانی پیراہن (قمیض) تھا ۔ جس میں امامِ زمان کا ظہور تھا ۔

امامِ زمان کا ظہور ذکر میں :-

اے مومنِ عالی گہر! سچائی
اور یقین سے جان لے کہ امامِ زمان کا ایک ظہور اس کی

یاد کرنے والوں کے دل کی آواز میں ہے۔ اسی آواز میں وہ ان سے کلام کرتے ہوئے توحید کے نکات ان پر ظاہر کر دیتا ہے، پھر تمام نکات میں سے ان تینوں متبرکات کا انتخاب کرتا ہے جن کے بیان کے سلسلے میں یہ تشریح کی جا رہی ہے اور وہ جلّ ذکرہٗ سالکوں کے تخیّل و تصوّر میں ظاہر ہوتا ہے، جس کی حقیقت اور نورانیت کی تعریف و تشریح اس مختصر مقالے میں قلم بند نہیں کر سکتے، اور وہ عزّ اسمہٗ اپنے نورِ جمال کے عاشقوں کی آنکھوں میں ظاہر ہوتا ہے، جس کی بدولت ان کی آنکھوں سے غفلت کی تاریکی کا پردہ یک لخت اُٹھ جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ارواح و ملائکہ کی فوج کے درمیان دیکھ پاتے ہیں اور مُلک و ملکوت کا نظارہ کرتے ہیں۔ پس وہ اپنے دین کی حقانیت اور ملکِ یقین کے حصول پر اپنے مولا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

امامِ زمان چونکہ راہِ راست کا ہادی اور روزِ جزا کا قاضی ہے اس لئے وہ عاجزوں کی دعا

اور شب خیزوں کی مناجات میں ظہور کرتا ہے جس
کی برکت سے ان کی دعا و مناجات میں ایک قسم
کا سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے پھر ان کے گناہ
آتشِ عشق میں جلا دیئے جاتے ہیں اور ان کی
روح اس معجزے کا مشاہدہ کرتی ہے۔

اے محبّانِ دینِ حق! یقین سے جان لیں کہ
علمِ دین کے معلمین اور مبلغین کی زبان پر بھی اس
کا ایک ظہور ہے اور وہ اس نورِ ظہور کی مدد سے
دینی حقائق اور معارف بیان کر سکتے ہیں۔ اس طرح
وہ حقائق و معارف کے پوشیدہ اسرار کو ظاہر
کرتے ہوئے علم حاصل کرنے والوں اور سننے والوں
کو خوشی و مسرت بخشتے ہیں۔

## کلمۂ نور کا ایک نشان

ہمارا سلسلۂ بیان یہ تھا کہ درختِ طوبیٰ
"سخنِ پُرحکمت" کی صورت میں امامِ زمان ہی ہے

جس سے حقیقی مومنوں کو دو جہان میں میوۂ جنت میسّر ہوتا ہے۔ پس "کلمۂ نور" کا نشان یہ ہے کہ جب کوئی سالک اس اونچے مقام پر پہنچ جائے تو "کلمۂ نور" کی مدد سے اسرارِ ممکنات کے تمام عقدے اُس پر کھل جاتے ہیں۔ اور کلمۂ نور کی روشنی میں وہ تمام ممکنات کے ماضی، حال اور مستقبل کو معلوم کرسکتا ہے اس لیے کہ یہ "سخنِ مبارک" نور ہے اور نور کا کام صحیح تفکّر کے بعد عالمِ معلومات کی اشیاء کو ایک ایک کرکے دکھاتا ہے۔ یہ "کلمۂ نور" جس میں امامِ زمان کا نورانی ظہور ہوتا ہے، ابدی زندگی کا ایک ایسا درخت ہے کہ اگر کسی شخص کو اس درخت کا پھل کھانے کی سعادتمندی حاصل ہوئی تو وہ مرگ سے آزاد ہو جاتا ہے اور یہ "سخنِ پُر حکمت" ایک ایسا میزان ہے جس کے نفی و اثبات کے پلڑوں میں حقائقِ اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

# کلمۂ نور کے دوسرے نشان

جاننا چاہیئے کہ "کلمۂ نور" "کتاب الممکنات" ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ جملۂ خبریہ ہے اور نفی واثبات میں ہے۔ اس کے شروع میں "الف" اور اخیر میں حرف "یا" ہے۔ جب ان کو لفظی ترکیب دی جائے تو لفظ "ای" بنتا ہے اور جب اس ترکیب کو الٹ دیں تو لفظ "یا" وجود میں آتا ہے۔ لفظ "ای" اور "یا" مفہوم کے لحاظ سے ہم معنی ہیں لیکن تہذیب کی رو سے خطاب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ "ای" مولا کی طرف سے ندا ہے اپنے بندے کے لیئے اور "یا" بندے کی دعا ہے اپنے مولا کی طرف، یعنی لفظ "ای" اور "یا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "کلمۂ نور" روحانیت کا وہ مقام ہے جہاں مولا ہمیشہ ندا" کہتا ہے کہ "ای بندہ!" اور بندہ دعا کے طور پر کہتا ہے کہ "یا مولا!"۔

## دوسرے نشان ہندسے میں

"کلمۂ نور" کے دوسرے نشان یہ ہیں کہ "کلمۂ نور" اپنی تمامیت کے لحاظ سے ایک کلمہ ہے، دو معنی، تین جزو، چار لفظ، پنج نقطہ، چھ مقطع، سات غیر منقوط حروف، آٹھ نورانی حروف اور کل حروف ایک اعتبار سے نو اور دوسرے اعتبار سے دس۔ پس مومن کو اس پر اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ "کلمۂ نور" امامِ مبین کی علمی ظہورگاہ ہے اور امامِ مبین کی ذات میں علمی عالم کی ساری چیزیں یکجا اور سمائی ہوئی ہیں۔

## روحانی بھید کا پوشیدہ رکھنا

اے مؤمنانِ حقیقی! جانیئے اور آگاہ ہو جائیے کہ علم و حکمت کا یہ خزانہ جس کے اوصاف میں سے کچھ بیان کیا۔ اس خزانے تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہوتی ہے مگر ایک ایسا مومن جو خاص الخاص ہو۔ پھر اگر کسی خاص الخاص مومن کی بخت بیدار اور سعادت یار

ہو جائے اور اس خزانے یعنی "سخنِ پُر حکمت" کو (جو امامِ عالی مقام کی باطنی علمی ظہور گاہوں میں سے ایک ہے) حدودِ دین میں سے کسی ایک کے ذریعے حاصل کرے تو مومن کو چاہیئے کہ ہرگز ہرگز اس "سخنِ پُر حکمت" کو نہ کسی پر ظاہر کرے اور نہ کسی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کرے۔ اس لیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ روحانی چوری میں ماخوذ ہو جائے اور اُس کے روحانی ہاتھ جو تصور و تفکر ہیں کاٹ نہ دیئے جائیں۔

## کلمۂ نور کے ترک کرنے کی ممانعت

جب موقع ایسا آئے کہ کسی مومنِ خاص کو جسمانی یا روحانی رازداری کی صورت میں اسرار گوئی کے مخصوص طریقے پر "کلمۂ نور" کا سرِّ عظیم بتایا جائے تو اُسے واجب ہے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کا شاکر رہے اور یقیناً جان لے کہ دوسروں کے مقابلے میں وہ بہت بڑی فضیلت و منزلت کا حامل ہوا ہے یعنی کہ درختِ طوبیٰ تک اُس کی رسائی ہوئی ہے اور اُس

کے سائے میں وہ آرام کیے بیٹھا ہے، اُس کے میوہ جان افزا کی حلاوت و لذت سے مستفید ہو رہا ہے۔ ایسے موقع پر اُسے چاہیے کہ اس نعمتِ پایندہ اور دولتِ زایندہ کو ہاتھ سے جانے نہ دے بلکہ یہ سمجھے کہ اُس کی زندگی کا سرمایہ اور دو جہانوں کی قیمت یہی ہے۔

## قوانین و قواعد

مومنوں کو اب یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر چیز کے حصول اور ہر کام کی انجام دہی کے لیے کچھ قواعد و قوانین ہوتے ہیں اور کوئی بھی کام قوانین و قواعد (کی پابندی) کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح "درختِ حیات" کا میوہ حاصل کرنے کے بھی قواعد و قوانین ہیں۔ چنانچہ "درختِ حیات" سے حصولِ میوہ کے لیے مومن کو دو منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلی منزل اس درختِ پاک تک رسائی کا ہے اور دوسری منزل اس درخت سے روحانی طور پر برخوری کا، لیکن مخلص مومنوں

کو روحانی لحاظ سے درختِ طوبیٰ تک رسائی میں کوئی
دُوری و مسافت نہیں ہے بلکہ یہ درخت ہمیشہ اپنے
(روحانی وجسمانی، ابدی زندگی اور دائمی بقا بخشنے والا)
میوے و ثمرے کو مومنوں اور صادقوں کے دل میں
ڈالتا رہتا ہے۔ پس ہمارا بیان ان مومنوں کی
دوسری منزل کے بارے میں ہے جو جسمانی حیثیت
سے درختِ طوبیٰ تک پہنچ چکے ہوں۔

لگاتار کوشش کرنے کی ایک مثال:-

درختِ طوبیٰ

سے حصولِ میوہ کے قواعد بیان کرنے سے قبل یہ
زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی اشارات
کی روشنی میں ایک مثال پیش کی جائے تاکہ
اس سے مسلسل کوشش کی اہمیت کا اندازہ
معلوم ہوجائے۔

جاننا چاہیئے کہ کاہلی و سستی خواہ دینی امور
میں ہو یا دنیوی امور میں، انتشار و پراگندگی
جماعتی کاموں کے لحاظ سے ہو یا انفرادی طور پر ایک

شخص کے افکار و تخیلات ہیں ، اور اسی طرح تفرقہ بازی لوگوں کو دوسروں کے مذاہب کے ساتھ ہو یا ذاتی طور پر ایک فرد کے عقائد و مسائل میں ، ان سب کی مثال ایک گہرے اور تاریک کنویں سے دی جا سکتی ہے جس میں جہالت کی تاریکی اور ذلت کی تنگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ۔ چنانچہ جو لوگ اس حالت میں پڑے ہوں ان کی نجات کے لیے خداوند دانا و بینا نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ :

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ
جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ (۳ : ۱۰۳)

یعنی " تم سب مل کر مضبوطی کے ساتھ خدا کی رسی کو پکڑو اور فرقہ بندی میں مت پڑو ۔ "
مطلب یہ ہے کہ اے لوگو ! تم جو جہالت و نادانی کے کنویں میں قید و بند ہو گئے ہو ، تم سب مل کر اس خدائی نور کی رسی یعنی امامِ زمان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑو جو ظاہر میں اسم و جسم ہے اور

باطن میں اسم و نور ، اس رسی کو ہاتھ سے چھوڑ نہ دو ، اگر اس کو ہاتھ سے چھوڑ دو گے تو پھر اسی کنویں میں گر پڑو گے جس میں جہالت کی تاریکی ، ذلت کی تنگی کے علاوہ کچھ نہیں اور اگر تم ہماری رسی کو فرمانبرداری ، ذکر اور اطاعت کی مضبوطی سے پکڑو گے تو ہم تمہیں جہالت کے تاریک کنویں سے نکال کر معرفت کی روشن دنیا میں لائیں گے ۔

اس مثال کے ذریعے دین کے دانشمندوں پر یہ امر واضح ہو گیا کہ یادِ وحدت سے غفلت ، طلب حقیقت سے سستی ، خیالات کا انتشار اور عقائد کا اختلاف جس کسی سے بھی سرزد ہو وہی مثال رکھتا ہے جو بیان کی گئی ۔ پس مومن کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں یہ گمان ہرگز نہ کرے کہ وہ ایسے گہرے کنویں میں مقیّد نہیں اور یہ اشارہ دوسروں کی طرف ہے جو دینی مرتبے میں اس سے نیچے ہوں ۔ ایسا گمان کرنا بڑی سخت غلطی کے برابر ہے ۔ کیونکہ

ایسا گمان اُس مومن کو ارتقائے روحانی اور معراجِ نورانی
سے باز رکھتا ہے ۔ بلکہ مومن کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ
دنیا کے مذاہب و اہلِ مذاہب میں سے کوئی بھی
شخص ایسا نہیں جو امرِ کل سے پیوستہ ہونے سے
قبل خدائی امر سے مستثنیٰ ہو سکے ۔ نیز دنیا میں
کوئی انسان ایسا نہیں جس کو رحمتِ ایزدی کسی
مثال یا اشارے کی صورت میں قربِ الٰہی کی طرف
دعوت نہ دیتی ہو ۔ خواہ وہ قریب ہونے کی قدرت
رکھتا ہو یا نہیں ، اگر قدرت نہ بھی رکھتا ہو پھر
بھی رحمتِ ایزدی تمثیلاً ، اشارتاً اور ظاہری و
باطنی کلام کے ذریعے اُسے قربِ الٰہی کی طرف دعوت
دیتی رہتی ہے ۔ نیز جو شخص آرام کیے بغیر
ہمہ وقت اُس کی قربت کے حصول میں
دوڑ دھوپ کرتا ہے ، اُس کے لئے بلی ہی
دعوت جاری ہے ۔ اس لئے کہ حق سبحانہٗ کی
اپنے بندوں کی طرف سے بے توجہی اُس کی رحمت
سے دور ہے ۔

## "درخت طوبیٰ سے حصولِ میوہ کے سات قاعدے" (۷)

پہلا قاعدہ :-

جب مومن کو یہ بلند ترین مرتبہ حاصل ہو جائے یعنی اُسے "کلمۂ نور" کی تعلیم دی جائے تو یہ ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی عادات و اطوار کو امامِ زمان کے فرمان کے مطابق درست کرے ۔ اس کے بعد سچائی، یقین اور صاف دلی سے "کلمۂ نور" کا ذکرِ خفی کرے اور ذکر اس طرح کرے کہ اُس کی حقیقت کسی پر واضح نہ ہو جائے اور یہ ذکر ایک گھنٹے سے آٹھ گھنٹے تک یا اس سے کچھ کم یا زیادہ، جتنا وہ کرسکے (کرسکتا ہے)۔ نیز (جگہ اور وقت کے لحاظ سے) جہاں کہیں بھی ہو، مخصوص وقت میں یا جب بھی اُسے فرصت ملے (ہر دو صورت میں ذکر کیا جا سکتا ہے)۔

جس وقت مومن ذکر کے مخصوص طریقے پر عبادت میں مشغول ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

تمام افکار و خیالات کو ذکر پر مرکوز کرے اور اپنے
دل کی آنکھ و کان کو مسلسل ذکر پر نگران و منتظر رکھے
اور اپنی فہم و ادراک کو نقطۂ ذکر سے باہر ہرگز
نہ جانے دے اور کسی قسم کی بھی شکل و صورت کو
اپنے خانۂ دل میں نہ آنے دے۔ سلسلۂ ذکر کی کڑیوں
کو آپس میں یوں ملائے کہ "تیزی اور آہستگی
کے درمیانی رفتار میں سلسلۂ ذکر نہ تو چھوٹ جائے اور
نہ ٹوٹ جائے۔ مومن کو چاہیئے کہ "کلمۂ نور" کا ذکر
دل ہی میں کرے نہ کہ زبان پر۔ چنانچہ مولائے رومی
فرماتا ہے:-

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند۔

یعنی "اے طالبِ حقیقت! تو اپنی آنکھ، کان اور
ہونٹ کو بند کئے رکھ، اندریں حال اگر تو نے
خدا کا کوئی بھید نہ دیکھا تو مجھ پر ہنسنا"۔

سالکِ راہِ حقیقت کے لیئے ضروری ہے کہ وہ نورانی

وقت سے پہلے ہی خوابِ غفلت سے اٹھ کھڑے ہو جائے
اور روزانہ وقتِ مقررہ پر تقریباً ایک گھنٹہ
ذکر کی خلوت گاہ میں بیٹھا کرے ۔ پھر جس
وقت اُس کی غلامی مولائے زمان کو منظور ہو گی
اور تائیدِ غیبی اور رحمتِ لاریبی اُس کے حال میں
قریب تر ہو جائے تو اس کے وسواس (عبادت کی
یکجہتی میں مخل ہونے والے اندیشے) روز بروز کم
ہوتے جائینگے اور اس کا ذکر ہلکا ہوتا جائیگا ۔
اس کا دل ذکر کی طرف راغب ہو گا اور ذکر سے
اُسے خوشی و مسرت ہو گی ، اسی طرح جس روز
مومن دل جمعی کی حد اور سکونِ قلب کے مقام تک
پہنچ جائے تو اس کے دیدۂ دل کے سامنے سے تاریکی
کا پردہ اور نفسانیت کا حجاب اٹھ جائیگا اور
وہ عالمِ کشفِ اسرار کی عجائبات کا مشاہدہ کرنے لگے
گا ، ہدایت کی بجلی چمکنے لگے گی ، علمِ لدن کے لئے
اس کی جان و دل پر سے گذرنے لگیں گے اور استادِ
حقیقی خود اُسے سکھانے لگے گا ۔ اور جو کچھ اُسے
منظور ہو اپنے اُس ظہور کے ذریعے اُسے دکھائے گا جو

"کلمۂ نور" میں ہے۔ مولانا اپنے بندوں کو ذکر و طاعت کی توفیق عطا کرے! والسّلام۔

## دوسرا قاعدہ :-

اے مومنِ ذاکر! جان لے کہ پہلے ذکر ہے اور اس کے بعد فکر، چنانچہ مقررہ اوقات میں ذکرِ کثیر کرنے کے بعد جو فکر کی جاتی وہ درست (نتیجہ خیز) ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہیئے کہ عبادت، ذکر اور فکر کا اصلی مقصد، صفاتِ حضرتِ احدیت کی معرفت کا حصول ہے، جو عارف کی خودی کی معرفت میں ہے، اور معرفت کے معنی ہیں، آنکھوں سے کسی کو دیکھنے کے بعد اُسے پہچان لینا اور یہاں معرفت سے مراد خدا کی وہ پہچان ہے جو عین الیقین سے خدا کی صفات دیکھنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عارف خدائے تعالیٰ کی صفات کی تجلّیات و عجائبات کو بچشمِ باطن سے اپنی ذات (روح) میں دیکھ پاتا ہے۔

پس مومن کو چاہیئے کہ ذکرِ کثیر کے بعد "کلمۂ نور" کی روشنی میں فکر کرے، اس طریقے پر کہ ممکنات کے متعلق جس مسئلے کا حل کرنا مقصود ہو، اس مسئلے کو "کلمۂ نور" کے سامنے رکھے اور اس پر (بطریق مخصوص) غور و فکر کرے، چنانچہ پہلے اس چیز کی امکانیت کے بارے میں بطورِ منفی یا مثبت سوال کرے یعنی پوچھے کہ کیا فلان چیز کا ہونا ممکن ہے؟ یا پوچھے کہ فلان چیز کا ہونا ممکن نہیں؟ یا کہے کہ کیا فلان چیز تھی؟ یا ہوگی؟ وغیرہ۔ پس جواب "کلمۂ نور" کے ذریعے ایک وجہ سے نفی میں آئے گا، ساتھ ہی دوسری وجہ سے اثبات میں، یا صرف اس کے جواب میں ایک ہی اشارہ ہوگا۔ اس مقام پر مؤمن کو چاہیئے کہ اس مختصر جواب پر یاور کرے کیونکہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (۲:۳) (باور کرتے ہیں غیب پر) کا مقام حقیقت میں یہی ہے۔ اس کے بعد اس ممکن پر بطریق مخصوص تصوّر و تفکّر کرے، تاکہ حدودِ جسمانی و روحانی جو مومن کے روحانی عالم میں مخفی ہیں، امامِ حق کی مدد اور عنایت

سے جو آفاق و انفس میں حیّ و حاضر ہے ، اس کی کوشش کے مطابق اس ممکن کا علم بتدریج اُسے سکھائیں گے ۔

تیسرا قاعدہ :-

جس وقت " کلمۂ نور " سے مومن کو کوئی درست جواب حاصل ہو جائے ، اور جس امکانیت کی طرف اشارہ ملے ، پھر اُسے چاہیئے کہ مخصوص طریقِ فکر کے ذریعے عرصۂ ممکنات میں اُس ممکن کی عملی جستجو کرے ۔

اور جاننا چاہیئے کہ عرصۂ ممکنات ہی کائنات ہے ۔ فلکِ محیط کے دائرے سے لے کر سورج کے مرکز تک ، جو وسط کائنات میں واقع ہے (جس طرح پرکار کے نقطے کا مرکز اُس کے دائرے کے وسط میں ہوتا ہے) کے درمیانی وسیع فضا اور جوف میں بے شمار جہان ہیں ، جنہیں ثوابت اور سیارے کہتے ہیں ، یہ دنیا بھی جس پر ہم رہتے ہیں ، ان سیارات میں سے ایک ہے ، پھر جاننا چاہیئے کہ جو روشنی چاند اور ستاروں سے ہمیں نظر آ رہی ہے وہ دراصل سورج

کی روشنی ہے ، ان کی ذاتی روشنی نہیں ۔ چنانچہ کہا جاتا
ہے کہ جب جہاز کو زمین سے بہت دور اڑا کر اس
پر سے زمین کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ زمین انہیں
ایک چمکیلے اور گردش کرنے والے سیّارے کی مانند
دکھائی دیتی ہے ۔ پھر تو یہ حقیقت ہے کہ ستاروں
کی روشنی ذاتی نہیں بلکہ فی الواقع سورج کی روشنی
ہے جو ان کی سطح سے منعکس ہو کر آتی ہے ۔ اور
وہ ستارے ایسے جہان ہیں کہ ان میں سے بعض انتہائی
معموریت ، تعمیر اور ترقی کے لحاظ سے جسمانی بہشت
بن چکے ہیں ۔ اور ان جہانوں میں انسانی روح
جسمِ لطیف کے لباس میں ہے ( جس کو نورانی جثّہ
کہتے ہیں اور اس زمانے میں ہم اس کو جثّہ ذروی
(Atomic Body) کہیں گے ) خوبصورت اور نیک سیرت
نوجوانوں کی حیثیت سے جنھیں حور و غلمان یا اہلِ بہشت
کہنا درست ہے ۔

جاننا چاہیئے کہ ان ستاروں میں سے بعض
اُجاڑ اور بیابان جہانوں کی طرح ہیں اور دوسرے بعض

ارتقائے آبادی کی جدا جدا منازل اور عروج حیاتِ انسانی کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتے ہیں تا کہ روحِ انسانی حق سبحانہ' وتعالےٰ کی قدرتِ کاملہ کا تماشہ دیکھے کہ انسان کس طرح اور کس ضرورت کی بنا پر خدائی توانائی کے بل بوتے ایک ستارے سے دوسرے ستارے پر منتقل ہو سکتا ہے اور اس کے بعد ایک اجڑی ہوئی دنیا یا ایک نئی دنیا کو کس طرح انسان کے ہاتھوں آباد کرتا ہے۔ پھر کسی وجہ سے انسان کو اس جنّت صفت دنیا سے باہر نکال دیتا ہے۔ اور کس طرح ارادۂ قدرت اس جسمانی بہشت کو اجاڑتا ہے، پس فعلِ قدرت کا یہ تماشہ نفسِ انسان کے لیۓ تعلیم ہے جس سے علم ممکنات مقصود ہے تا کہ مؤمن اس علم کی بدولت خدا تک پہنچ سکے۔

اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو معلوم ہو جائے کہ "کلمۂ نور" کسی سوال کے جواب میں جو کچھ فرمائے، نا ممکن نہیں، کیونکہ ممکنات عالم میں موجود

ہیں ، اور مومن کے لیے لاانتہا زمانے میں لاانتہا مواقع ہیں ۔ اس لاانتہا زمانے میں مومن کو ہر ممکن اپنے وقت اور اپنی جگہ پر دکھا دیا جائے گا یعنی جسمانی اور روحانی حالات میں بیک وقت یا یکے بعد دیگرے ، اس کی مزید تشریح یوں ہے کہ ہر ممکن شے کے وجود میں آنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک موجود چیز ایک ستارے سے دوسرے ستارے پر اترتی ہے جو سابق ستارے پر مکان و زمان کے حالات کے مطابق موجود ہوتی ہے ، چنانچہ اہل ظاہر اس پر متفق ہیں کہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا ، پھر اسکو اس کی بیوی حوّا کے ساتھ بہشت میں جگہ دی گئی تھی ۔ بعدازاں سب کو اس زمین پر اتارا گیا اور بہت سی چیزیں ان کے ساتھ اور ان کے بعد بھی (بہشت) سے زمین پر نازل ہوئیں ۔ (اس بیان کی روشنی میں) ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف آدم و حوا یا چند چیزیں بہشت سے نازل نہیں ہوئیں بلکہ ہر شخص اور ہر چیز بہشت ہی سے اس ستارے یعنی زمین پر اتری ہے ، عدم محض سے نہیں ، کیونکہ عدم

کسی چیز کے بغیر محض ایک نام ہے۔ وَالسّلام۔

چوتھا قاعدہ :-

مومن موحد کو جاننا چاہیئے کہ سارے ممکنات خدا کی ہمہ بین نگاہ کے اعتبار سے بلا تقدیم و تاخیر ہمیشہ بیک وقت موجود ہیں یعنی احاطۂ قدرت میں تمام اشیاء ہستی کی حالت میں ہیں اور کوئی چیز اس کی قدرت سے محروم ہو کر نیستی کی حالت یا عدم محض میں نہیں، کیونکہ اگر کوئی ممکن عدم محض میں ہوتا تو باری سبحانہ کے امر اور قدرت نارسا اور ناتمام ہوتی (نعوذ باللہ منہا) گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے فرمان اور قدرت نے ابھی تک اس ممکن کو عرصۂ وجود میں لائی ہی نہیں اور اسے ہست نہیں کیا ہے، اور وہ ممکن ایک ایسے حال میں ہے کہ اسے عدم محض کہتے ہیں. لیکن دانا لوگ جانتے ہیں کہ ایسا عقیدہ درست ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ خداوند خود فرماتا ہے کہ

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ٥ (۳۳: ۳۷)

یعنی خدا کا فرمان ایسا ہے کہ اس میں کوئی تاخیر فردا نہیں

بلکہ اس کا امر بحالِ لازمان واقع ہو چکا ہے اس لیۓ کہ اس کے فرمان اور قدرت میں کوئی ماضی و مستقبل ہرگز نہیں، جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ خدا نے ایسا کام کر لیا تھا یا ایسا کام کر لے گا وغیرہ۔ خدا کے کلام میں اُس کے فعل کے بارے میں جہاں کہیں بھی ایسے مفہومات ہوں (کہ خدا نے کہا تھا یا کر لیا تھا یا کہے گا یا کر دے گا وغیرہ) تو یہ خدا کی ہمہ بین نظر اور ہمہ گیر قدرت کی نسبت سے نہیں بلکہ یہ انسانی جزو بین نظر کی نسبت سے ہے کیونکہ ایک مثال میں خدا کے فرمان اور قدرت کے لیۓ سارا زمانہ حال ہے اور اس بات کے معنی یہ ہیں کہ ممکنات اور ان کے واقعات کے حالات موجود ہیں۔

پس "کلمۂ نور" کے یہ فرمانے میں کہ "ناممکن نیست" ہی وجہ ہے، یعنی کہ کوئی بھی ناممکن کبھی موجود ہو نہیں سکتا، اور فرماتا ہے کہ جو ممکن ہے وہ اب بھی اس کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہے، اس مبارک فرمان کی مزید تشریح یہ ہے کہ جو چیز (قانونِ قدرت) میں ناممکن ہے، وہ عرصۂ ممکنات میں کسی قسم کا بھی

وجود نہیں رکھتی ہے ، نہ عالم جسمانی میں ، نہ عالم روحانی میں اور نہ عدم محض میں جو محض ایک فرضی تصور کے سوا کچھ بھی نہیں ، اور جو چیز ممکن ہے ، عرصۂ ممکنات (یعنی کائنات شش جہات) میں موجود ہے ، اس حقیقت کے بارے میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ
مَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵ : ۲۱)

یعنی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں (یعنی عرصۂ ممکنات میں) لیکن ہم اس چیز کو (ایک ستارے سے دوسرے ستارے پر) نہیں اتارتے ہیں مگر مکان کی وسعت ، زمانے کے تقاضے اور لوگوں کی دانش و کوشش کی مقدار میں جو ہمیں معلوم ہے ، اس آیہ سے جس کا ذکر اور شرح ہو چکی ، ظاہر ہے کہ خلقت اور حکمت والے کے خزانوں میں ہر ایک "ممکن" ہستی کی حالت میں موجود ہے ، اور کوئی چیز خداوندی خزانوں سے باہر نہیں ، پس اس سیارے پر رہنے والوں کو جس پر ہم اس زمانے میں رہتے ہیں یہ

اشارہ ہے کہ کوئی شی نہیں جو اس دنیا میں آتی ہو یا ابھی تک نہ آئی ہو، اور وہ اس سے پہلے ہمارے خزانوں میں (جو ستارے ہیں) بحالت موجود (قدیم سے رہ چکی) نہ ہو، بلکہ ہم کسی بھی ممکن کو دنیا میں اس وقت اتارتے ہیں، جبکہ لوگ اس چیز سے متعلق علم حاصل کریں، اور کسی چیز کے نازل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر ممکن کو ایک ستارے سے دوسرے ستارے پر اتارتے ہیں، اور ہر چیز کو بدلتے رہتے ہیں، بحکم:

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۸۴: ۱۹)

البتہ تمہیں چڑھنا ہے ایک ستارے سے دوسرے ستارے پر، اس میں طبقات سے مراد ستارے ہیں، کیونکہ ظاہری طور پر طبقات ان ستاروں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

پس جو شخص علم ممکنات کو زیادہ حاصل کرے، اس پر علم کا روحانی مادّہ زیادہ نازل ہوتا ہے اور جب اُسے خدا کی حکمتِ بالغہ کی طرف راستہ مل جائے تو وہ ممکن مطلق کو عین الیقین سے پہچان سکتا ہے، پس

اُس کا "کوئی چیز ناممکن نہیں" کہنا روا ہے ، خداوند زمین و زمان مومنوں کو علم و حکمت حاصل کرنے کی اور نورِ معرفت سے ملنے کی توفیق عطا کرے ! وَالسَّلام۔

پانچواں قاعدہ :-

اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ علم ممکنات انسان کی نفسِ ناطقہ میں کس طرح پوشیدہ ہے تاکہ مومنین " اپنی ذات کی معرفت " کے عنوان سے اپنی روح میں اس علم کی تلاش کریں اور انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ ناممکن ہے وہ محال ہے اور اس کے وجود میں آنے کی کوئی امکانیت نہیں ، بالفاظِ دیگر جو چیز اس کائنات میں ظاہر اور باطن کی کسی بھی حالت میں ابھی تک پیدا نہ ہوئی ہو ، وہ چیز آئندہ زمانے میں بھی کہیں پیدا نہ ہوگی اور جو چیز ممکن (شدنی = ہونے والی) ہو وہ اس وقت بھی اس عالم کے ان بے شمار ستاروں میں سے کسی ستارے پر موجود ہے ، جس کی ضروری حد تک تفصیل کی گئی ہے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر ممکن شے موجود ہے اور ناممکن محال ، مومن کو چاہیئے کہ

اس علم کو "اپنی ذات کی معرفت" میں ڈھونڈے۔

پس یہ جاننا چاہیئے کہ انسان اپنے جسم، روح اور عقل کی مجموعی حیثیت سے عالمِ صغیر ہے، جو بظاہر عالمِ کبیر (اس جہان) میں داخل شامل اور ملا ہوا ہے۔ لیکن جب مومن روحانیت کے کمال تک پہنچ جائے اور عین الیقین سے دیکھے تو اُسے یہ معلوم ہو گا کہ عالمِ کبیر یعنی ساری کائنات اور اس میں بسنے والے، اس کی نفسِ ناطقہ میں سموئے ہوئے ہیں اور ممکنات کی ساری مثالیں، نمونے، نسخے اور شکلیں اُس کی ذات میں جمع ہیں۔

ایک دوسری مثال میں مومن کی نفسِ ناطقہ ایک ایسا آئینہ ہے جو حضرتِ احدیت کی صفات کی بزرگیوں اور خوبیوں کی جلوہ نمائی کرتا ہے۔ جبکہ وہ بحقیقت جیساکہ چاہیئے مومن بن چکا ہو۔ ایک اور مثال میں جب مومن روحانی مرتبہ میں اس قابل ہو جاتا ہے تو اُس کی نفسِ ناطقہ کو ایک ایسی کتاب سمجھی جاتی ہے کہ

ممکنات کا علم اور خدائی صفات کی معرفت اس سے باہر نہیں ۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝ (۷۸ : ۲۹)

یعنی ہم نے ہر چیز (علوم و معارف) کو ایک کتاب میں گھیر رکھا ہے اور یہی روحانی کتاب مومن کی نفسِ ناطقہ ہے۔

پس جو عارف ایسی خودشناسی سے اپنے پروردگار کو پہچانے تو وہ اندران حال عین الیقین (یقین کی آنکھ) سے عالمِ کبیر کے جملہ ممکنات کو عالمِ صغیر (اپنی روح) میں دیکھے گا ۔ وہ امامِ حق کی تجلّیات اور نورانی ظہورات کا نظّارہ اپنے دل کی آنکھ سے کرے گا اور وہ نورِ خدا کی کتابِ معرفت پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہو گا ۔ پھر وہ "کلمۂ نور" (جو میزانِ ممکنات ہے) تک پہنچے گا اور علمِ ممکنات کو اس ترازوی عدل سے تول سکے گا۔

وَالسَّلام

## چھٹا قاعدہ :-

جاننا چاہیئے کہ ہر ممکن کے موجود ہونے کی دلیلیں ہندسوں سے بھی ثابت کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ ہندسوں کی شکلیں یہ ہیں : نقطہ ؏۰ ، ایک ؏۱ ، دو ؏۲ ، تین ؏۳ ، چار ؏۴ ، پانچ ؏۵ ، چھ ؏۶ ، سات ؏۷ ، آٹھ ؏۸ اور نو ؏۹ ، اب ہم یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ سارے ممکنات ان اعداد کی طرح تین حالات میں موجود ہیں ، اعداد کی تین صورتیں یہ ہیں۔ اوّل وحدت ، دوّم ترتیب اور سوم تضاد ، اب ان میں سے ہر ایک کی تشریح کی جاتی ہے ۔

**وحدتِ اعداد :-** اعداد کی وحدت یہ ہے کہ وہ سب ذات نقطہ میں ایک ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ایک سے لے کر نو تک کے ہندسوں کی تشکیل کسی اور چیز سے نہیں بلکہ صرف نقطے کی امتداد سے ہوئی ہے ، چنانچہ ہر عدد کی شکل میں وہی نقطہ ساری و جاری ہے جس کی مختلف روشوں سے اعداد کی مختلف شکلیں ظہور میں آئی ہیں۔ پس ہر چند کہ اعداد اشکال کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن ذات کی

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

نسبت سے یہ ایک ہی ہیں۔ مثال کے طور پر سات اور تین اپنی ذات نقطہ میں ایک ہیں اور نقطہ ان کی نسبت سے سات بھی ہے اور تین بھی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ذاتِ ممکنات میں وحدت ہوتی ہے اور جب حقیقت میں واحد ہی موجود مطلق ہے یعنی ممکنات کی سالمیت و جامعیت کا نام موجود مطلق ہے اور وحدت اس کی ہیئت ہے تو پھر روا نہیں کہ کوئی ممکن شئے اپنی ذات سے جدا ہوتے ہوئے عدم میں پڑی رہے اور یہ یگانگی (وحدت) جو خدا کی صفت میں مستعمل ہے وہ لفظی ضرورت کی وجہ سے ہے (یعنی ایک لفظی انتخاب ہے اور صحیح معنوں میں یہ خدا کی صفت ہو نہیں سکتی) کیونکہ وہ سبحانہ وحدت سے بھی برتر ہے، چونکہ وحدت کثرت کی ضد ہے، اور جو صفت اپنی کوئی ضد صفت رکھتی ہو وہ حقیقت میں خدا کے شایانِ شان نہیں، مگر لوگوں کی تعلیم و تفہیم کی ضرورت کی وجہ سے خدا کو ایسی صفات سے موصوف کرنا روا ہے۔

...

ترتیبِ اعداد:- ترتیبِ اعداد یہ ہے کہ نقطہ؛

ایک ، دو ، تین ، چار سے دس تک اور دس سے سو تک
وغیرہ ، مفرد اور مرکب اعداد میں سے ہر ایک ترتیب میں
ہے۔ اور ترتیبی حالت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ مساوی
اور ہم وضع نہیں ، بلکہ ہر ایک عدد ترتیب میں دوسرے
عدد سے کم یا زیاد ہے ، چنانچہ چار تین سے زیادہ ہے اور
تین چار سے کم وغیرہ ، اس دلیل سے یہ معلوم ہوا کہ ممکنات
کی بھی ایک ترتیب ہے جس کی وجہ سے ایک سے ایک بڑھ
کر ہے۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ کوئی ممکن اپنی ترتیب سے
باہر نہیں ، چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ اعداد کی ترتیب میں
سے ایک عدد کو ہمیشہ کے لیے محو یا خارج کیا جاسکے ،
اور جس معنوی ضرورت سے اس کا تعین ہوا ہے اس
ضرورت کو دوسرے عدد کے ذریعے پوری کی جاسکے۔ جیسا کہ
۰ ، ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، — ، ۷ ، ۸ ، ۹ . ۱۰ اس مثال میں
پانچ کے بعد کا عدد چھ موجود نہیں ۔ اگر فی الحقیقت ایسا
ہی ہوتا تو اعداد کی ترتیب میں نقص پیدا ہو جاتا۔
اس لیۓ کہ جو معنی پانچ اور سات کے درمیان ہونا چاہیئے
تھا وہ موجود نہیں ، پس اگر موجودات اور ممکنات
وحدت کے بعد ترتیب میں ہیں تو یہ روا نہیں ہو سکتا

ISW I.S. Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

کہ کوئی ممکن موجود نہ ہو اور اب تک پیدا نہ ہوا ہو۔

تضادِ اعداد :- اعداد کی ضدیت و اختلاف اس طرح پر ہے کہ اعداد کی کل دس شکلیں ہیں، جن کا تحریری صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اب ان اعداد مرکب کی مختلف (ضدو خلاف) ترکیبوں کے ذریعے ان دس شکلوں سے لاکھوں معانی نکلتے ہیں جو ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور وہ معانی گنتی کے ہیں یعنی دس سے سو، سو سے ہزار اور ہزار سے سو ہزار تک، اس دلیل سے یہ ظاہر ہوا کہ ممکنات ضدو خلاف کے تبادلے میں لاانتہائی کی امکانیت رکھتے ہیں۔ یعنی ممکنات ایکدوسرے کی مختلف شرکتوں کے ذریعہ لا انتہا دفعات میں آتے جاتے رہتے ہیں۔

سالتواں قاعدہ :-

جاننا چاہیئے کہ ممکنات میں سے ہر کُلّ اپنے اجزاء کی وحدت (سالمیت) کے ساتھ فعل و شکل دونوں میں یا صرف ایک میں مُدَوّر (گول) ہے۔ جس کی تشریح "میزان الحقائق" میں کی گئی ہے۔ یہاں

پر اس دعوے یعنی "ہر کلّ اپنے اجزاء کی وحدت کے ساتھ فعل و شکل دونوں میں یا صرف ایک میں مُدَوّر ہے، اور پرکار کی مانند کس طرح اپنے دائرہ محیط پر گھومتی ہے، اور کلّی طور پر کسی وقت بھی نہیں ٹھہری" کے اثبات میں صرف ایک دلیل کافی ہے۔ اور یہ دلیل پانی کی مثال سے دی جائے گی۔ اس لیے کہ پانی شکل، طبیعت اور فعل کے لحاظ سے دوسری کلیات سے زیادہ نمایاں اور سریع الحرکت ہے۔ پانی کے متعلق ہم سب جانتے ہیں کہ نباتات، حیوانات سے لے کر انسانی اجسام تک کا مایہ رطوبت پانی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ پانی کا مخرج و منبع برف و باران ہی ہے اور برف و باران کا مخرج بادل، بادل کا بخارات اور بخارات کا بحرِ محیط ہے جو پانی کا مرکزِ کلّی ہے اور اسی مرکز سے سورج کی حرارت کے ذریعے بخارات اٹھتے ہیں (اور بادل کی شکل میں برف و باران کا باعث بنتے ہیں)۔ اس مثال کی تشریح میں ہم نے جو کہا کہ ہر قسم کے پانی کا مخرج و منبع برف و باران ہے اس کا اشارہ کاریز، کنواں، اور چشمہ وغیرہ کی طرف بھی تھا تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ان میں سے جو پانی نکلتا ہے وہ برف اور بارش سے نہیں، یہ گمان

ٹھیک نہیں ہے بلکہ بیرونِ بحرِ محیط بھی پانی کی جو کچھ مقدار ہے وہ بھی کسی نہ کسی طرح بحرِ محیط سے آئی ہوئی ہے۔ کیونکہ عالم میں ہر جزو کسی کل سے آیا ہوا ہے۔

اب ہم کنویں اور کاریز کی تحقیق کی طرف آتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ دریافت کیا گیا ہے کہ ہموار اور پست مقامات پر رہٹ اور ماشین وغیرہ کے ذریعے جو پانی ان سے نکالا جاتا ہے وہ پانی وہ ہوتا ہے جو بارش کی کثرت اور نہری پانی کی بہتات کی وجہ سے سطح زمین سے اندر چلا گیا ہو۔ چونکہ مٹی کے ذرات کے درمیان ان کے درمیانی افتراق کی وجہ سے خلا ہوتی ہے اور یہ خلا ہوا سے پُر ہوتی ہے لیکن پانی کے پہنچنے پر ہوا پانی کے لئے جگہ چھوڑ کر نکلتی ہے اور یہ خلا پانی سے پُر ہو جاتا ہے۔ پھر اس پانی کی کچھ مقدار سورج کی گرمی سے ایک لطیف بخار بن کر ہوا میں اُڑ جاتی ہے لیکن اوسطاً اتنا ہی پانی مذکورۂ بالا طریقے پر زمین میں داخل ہوتا جاتا ہے۔

چشمہ کے متعلق یہ تحقیق ہے کہ چشمہ ایک ایسے دامن کوہ یا ڈھلوان جگہ سے نکلتا ہے جس کے اوپر بارش، برف، یخ وغیرہ کا پانی دائمی یا موسمی صورت میں جاری رہتا ہو۔ اس پانی کی کچھ مقدار اس پہاڑ کے جوف میں یا اس بلند مقام کے خلا میں داخل ہوئی ہو۔ پس وہ پانی اپنی حرکتِ طبیعی سے اس خلا میں نیچے کی طرف بہتا رہتا ہے اور ایک شگاف کے راستے خارج ہوتا ہے یا پانی کی قوتِ وزن اپنے لئے کوئی راستہ نکال لیتی ہے۔ پس اسے چشمہ کہتے ہیں۔

ہماری اس تشریح سے یہ معلوم ہوگیا کہ بادل، بارش، برف، اولاد، یخ، چشمہ، کاریز، کنواں، نہر اور دریا وغیرہ کا مایہ بخشی اور فیض رسان بحرِ محیط ہی ہے، اسی طرح ہوا، مٹی، نباتات، حیوانات اور انسان کے لئے بھی رطوبت کا مایہ بحرِ محیط سے حاصل ہے۔ پھر اس پانی اور ہر قسم کی رطوبت کی واپسی بھی دریا یا ہوا کے راستے بحرِ محیط کی طرف ہے اور پانی کا ہر قطرہ اور ہر ذرّہ ضائع ہوئے بغیر سمندر سے جا ملتا

ہے۔ اپنے کُل کے ساتھ گھل مل جانے کے بعد پھر پانی کے یہ قطرات و ذرات خشکی کی طرف آ کر وہی عمل کرنے لگتے ہیں جو انھوں نے پہلے کیا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ پانی کا ہر قطرہ یا ذرّہ۔ وہاں ہی ہو جہاں یہ پہلے تھا۔

پس کُل پانی کے ان مختلف حالات کے نتیجے میں خلاصتہً یہ کہا جا سکتا ہے کہ پانی کا فعل اور شکل اپنے اجزاء کی کلیت میں جن کا ذکر ہو چکا، مُدَوّر (گول) ہے اور اس لاانتہا گردش میں پانی گویا گون نباتات کی شکل، نوع بنوع حیوانات کے جسم اور مختلف انسانوں کی صورت میں آ سکتا ہے، بحکم

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (۲۱ : ۳۰)

یعنی ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ رکھا ہے۔ پھر اگر ہم مثال کے طور پر یہ کہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ پانی کا ایک قطرہ کوئی نبات یا حیوان بن سکے یا ایک انسان کی صورت اختیار کرے؟ یا مختصراً یہ سوال کریں کہ

کیا ممکن ہے کہ کوئی چیز اپنے ہم جنس کی مانند ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ "کوئی چیز ناممکن نہیں" یعنی اگر یہ حال ناممکن ہوتا تو اس ناممکن کی کوئی مثال بھی اس عالم میں موجود نہ ہوتی۔

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity